ابنِ انشاء

(حالاتِ زندگی)

ابنِ انشاء کا اصل نام شیر محمد خان تھا۔ آپ ۱۹۲۷ء میں جالندھر کے ایک نواحی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جالندھر میں حاصل کی۔ پھر ۱۹۴۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ روزنامہ جنگ کراچی، روزنامہ امروز لاہور اور اخبار جہاں کراچی کے لیے کالم لکھتے رہے۔

ان کے دو شعری مجموعے "چاند نگر" اور "اس بستی کے کوچے" شائع ہوئے چینی نظموں کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ یونیسکو کے مشیر کی حیثیت سے متعدد یورپی اور ایشیائی ممالک کا دورہ کیا۔ جن کا احوال اپنے "سفرناموں چلتے ہو تو چین کو چلیئے"، "آوارہ گرد کی ڈائری"، "دنیا گول ہے" اور "ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں" اپنے مخصوص مزاحیہ۔ طنزیہ اور فکاہیہ انداز میں تحریر کیا ہے۔

ابنِ انشاء اُردو ادب میں تین حیثیتوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک شاعر، دوسرے مزاح نگار اور تیسرے سفرنامہ نگار، شاعر کی حیثیت سے اُن کا بلند مقام ہے۔ انھوں نے نہایت خوبصورت غزلیں اور نظمیں لکھیں۔ اُن کی اکثر غزلیں ٹی۔وی پر ٹیلی کاسٹ ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً اُن کی ایک غزل کا مطلع ہے:

؎ انشاء جی اُٹھو اب کوچ کرو   اس شہر میں دل کا لگانا کیا

اِسی طرح اُن کی غزل کا مطلع ہے:

؎ کل چودھویں کی رات تھی شب بھر رہا چرچا تیرا   کچھ نے کہا یہ چاند ہے کچھ نے کہا چہرہ تیرا

اسی طرح انھوں نے مختلف اخبارات و رسائل میں مزاحیہ کالم لکھ کر اُردو مزاح نگاری میں بلند مقام حاصل کیا۔ وہ حالات و واقعات کے بیان سے بھی مزاح پیدا کرتے ہیں۔ اُن کی وجہ شہرت سفرنامے اور طنز و مزاح ہے۔

سفرنگاری میں ابنِ انشاء نے نئی طرح ڈالی ہے واقعات کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات اور احساسات کو بھی بیان کیا ہے اور ساتھ ہی غیر ملکی عمارات، چیزوں اور انسانوں کا اپنے ملک کی عمارتوں، چیزوں اور انسانوں سے بھی موازنہ کیا ہے۔ انھوں نے بعض مقامات پر غیر ملکیوں کی مہمان نوازی اور خاطر مدارت کا بڑھ چڑھ کر تذکرہ بھی کیا ہے۔ انھوں نے ۱۲ جنوری ۱۹۷۸ء کو لندن میں وفات پائی۔

چلتے ہو تو چین کو چلیئے

(ابنِ انشاء)

مقاصدِ تدریس

- طلبہ کو صنف سفرنامہ نگاری سے واقفیت دلانا۔
- دوست ملک چین کے بارے میں طلبہ کو معلومات دینا۔
- دیوارِ چین کی تاریخی اہمیت واضح کرنا۔
- طلبہ کو ابنِ انشاء کے اسلوب نثر سے آگاہ کرنا۔

الفاظ و تراکیب

مربوط	ہجوم	تخت وتاراج	وحشت	جواہر
مشروب	نعلین در بغلین	رپٹ رپٹ	گداز	صغرسنی

اپریل کے مہینے کی چوبیسویں تھی اور اتوار کا روز کہ ہم علی الصبح دیوارِ چین کی زیارت کو روانہ ہوئے۔ یہ پیکنگ سے کوئی پچیس تیس میل کی دوری پر ہے اور چین کا لاکھوں مربع میل علاقہ اس کے شمال میں پھیلا ہے۔ اب سے بائیس تئیس سو برس پہلے جب یہ بنی تھی تو اس کا مقصد شمال سے تاتاریوں کے حملے کو روکنا تھا۔ تحقیق کہتی ہے کہ جہاں تہاں دیواریں تو مختلف حکمرانوں نے پہلے ہی کھڑی کر رکھی تھیں۔ ہاں شہنشاہ اوّل چن شہ ہوانگ تی نے ۲۱۴ ق م میں ان کو مربوط کیا۔ ان پر برج بنائے اور دھوئیں کے سگنل دینے کا طریقہ رائج کیا جو اس کے پایۂ تخت سیان سے نظر آ سکیں، چین والے اپنی زبان میں اس کو ۳۰ ہزار میل لمبی دیوار کہتے ہیں، لیکن فی الحقیقت یہ ڈیڑھ ہزار میل کے لگ بھگ ہے۔ کہیں یہ پندرہ فٹ اونچی ہے، کہیں پچاس فٹ۔ کچھ حصہ بڑی بڑی اینٹوں سے بنا ہے، کچھ پتھروں سے۔ دیوار کے زیادہ تر حصے کے ساتھ ایک بیرونی خندق بھی کھدی دکھائی دے گی۔ یہ ڈیڑھ ہزار میل کا تسلسل بھی ٹوٹ گیا ہے۔ کہیں سے ریل دوڑتی گذرتی گئی ہے، کہیں سڑک بن گئی ہے۔ کہیں امتدادِ زمانہ نے شکست و ریخت کا عمل کیا ہے۔ لیکن جہاں سے ہم نے اسے دیکھا اور اس پر چڑھے وہاں سڑک اسے کاٹ کر نہیں بلکہ اس کے نیچے سے گزرتی ہے۔ سیڑھیاں چڑھ کے آپ ایک برج پر پہنچتے ہیں جس پر چھت بھی ہے۔ وہاں سے چڑھائی شروع ہوتی ہے اور فرش اینٹوں کا ہے۔ یہ اینٹوں کا فرش بعد کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ چودھویں اور سولہویں صدی میں بھی اس کی مرمت ہوئی ہے۔ بایں ہمہ نیچے کے آثار ضرور دو ہزار برس سے زیادہ پرانے ہونگے۔

یہاں سیر کو آنے والوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا ہے اور اتوار کو بالخصوص۔ زیادہ تر لوگ ریل سے آتے ہیں اور ریل کے سٹیشن سے جو غالباً میل بھر دور ہے پیدل آتے ہیں۔ اس کے بعد میلوں تک چڑھتے چلے جاتے ہیں۔ آخری دو برجوں کے درمیان چڑھائی اتنی سیدھی ہے کہ ستر پچھتر درجے کا زاویہ بنتا ہوگا۔ اترنے میں گرنے کا اندیشہ زیادہ تھا۔ جوتا

پتھروں سے رپٹ رپٹ جاتا تھا۔ اس لیے ہم نے نعلین در بغلین کیا یعنی اپنے جوتے ہاتھ میں لے لیے۔ جس نے دیکھا، تماشا سمجھا اور بچوں نے تو تالیاں بھی بجائیں۔

نیچے اس کے چھوٹا سا چائے خانہ ہے۔ وہاں چائے پی گئی اور پھر دیوار عظیم کے سائے میں تصویر کھنچوائی گئی۔ مسافر کو پرانی تہذیبوں اور گزرے زمانوں کے آثار ہر جگہ ہر ملک میں نظر آتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں کہ دل کو فوراً گداز کرتے ہیں۔ ہم پر جو اثر شیراز میں مزار سعدیؒ کی زیارت پر ہوا ویسی کیفیت تو پھر یا اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی لیکن دیوار عظیم نے کہ اس کا احوال دنیا کے سات عجوبوں کے ضمن میں ہم نے بہت صغر سنی میں پڑھا تھا، ایک عجیب اثر جی پر چھوڑا۔ یا پھر دل گداختگی کی یہ کیفیت کنٹین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابی ابی وقاصؓ کے مقبرے اور نواحی قبرستان کے گل بوٹوں کو دیکھ کر طاری ہوئی۔

تو صاحبو! اب واپسی، لیکن راستے میں منگ بادشاہوں کے زیرِ زمین مقابر بھی دیکھتے چلو۔ یہ مقبرے کہ زمین کی سطح سے چالیس پچاس گز نیچے ہونگے۔ غالباً اس لیے زیر زمین بنائے گئے کہ بعد کے آنے والوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہیں۔ منگ وہ چینی خاندان تھا جس نے چنگیز خان کے وارثوں سے سلطنت چھینی اور عہد اس کا ۱۳۶۸ء سے ۱۶۴۴ء تک ہے۔ یوں کہیئے کہ مقبروں والے یہ بادشاہ اکبر اعظم کے ہم زمانہ تھے۔ صدیوں یہ مقبرے دنیا کی نظروں سے پنہاں رہے۔ (یہ غالباً پچھلی صدی کی بات ہے کہ تجسس کرنے والوں کو ایک لوح ملی جس میں ان کے راستے کی سمت مرموز تھی۔ برسوں کی کھدائی کے بعد ایک دروازہ تیغا کیا ملا۔ اندر اترے تو بند ایوانوں میں مقبروں کے علاوہ بڑے بڑے چینی کے ظروف میں انواع و اقسام کی نعمتیں موجود پائیں۔ سونے، چاندی اور جواہر کے ڈھیر لگے تھے۔ چوبی تابوت تو سیلن اور موسمی اثرات سے خستہ وخراب ہو کر مٹی ہو چلے تھے اور بعد میں دوبارہ انہی نقشوں پر بنوائے گئے لیکن باقی چیزیں سلامت تھیں۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد دروازوں کو کھولنا آسان نہ تھا۔ جن لوگوں نے دروازے بند کیے انھوں نے اندر کی بلیاں گرا کر ایسا انتظام کیا تھا کہ کوئی باہر سے نہ کھول سکے) لیکن دانشمندوں نے یہ گرہ بھی کھول ہی لی۔ عجیب آسیبی ماحول ہے۔ اوپر ستر اسّی فٹ اونچی چھت ہے۔ نیچے غلام گردشیں اور طاقچے۔ ایک بڑے ظرف میں قربان گاہ کی بتیوں کے لیے تیل بھرا تھا، اب بھی موجود ہے لیکن بہت گاڑھا ہو گیا ہے۔ اتنے میں ہمارے چینی دوستوں نے کہا ایک چیز اور رہ گئی ہے۔ ادھر آؤ۔

ایک بہت بوسیدہ چار پانچ سو برس پہلے کا چوبی دروازہ جھک کر پار کیا تو اندر پہنچ کر سب آنکھیں جھپکنے لگے۔ تو کیا منگ زمانے میں ہماری طرح کے صوفے، کرسیاں اور میز بھی ہوتے تھے! میزبان مسکرائے۔ اس دور کے اس بغلی

کمرے کو مہمانوں کی نشست کے لیے درست کرلیا گیا تھا۔ فقط دروازہ عہد قائم کا باقی رکھا تھا۔ سب بیٹھے، چائے آئی اور سب اپنی حیرانی پر ہنسے۔

معلوم ہوا کہ ابھی ایک دو مقبرے کھولے گئے ہیں۔ نشاندہی سترہ اٹھارہ کی ہو چکی ہے جو ان نواحات میں میلوں تک نصف دائرے کی شکل میں پھیلے ہوئے ہیں۔

باہر آئے تو میزبانوں نے سب کو ٹھنڈا پلوایا۔ ٹھنڈا سے یہاں مطلب اورنج ہی لیجئے۔ ستر کروڑ کا یہ ملک دورِ جدید کے ان تمام لذائذ کوکا کولا، پیپسی کولا، سیون اپ، کناڈا ڈرائی اور فانٹا کو جانتا بھی نہیں۔ ان کے بغیر ہی ترقی کررہا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ کیسے کررہا ہے؟ جب یہ بیرونی نعمتیں اس کے دروازے، ہانگ کانگ اور پڑوسی جاپان تک میں موجود ہیں تو اپنے ہی سنگترے نچوڑنے پر اتنا اصرار کیوں؟

کھانے کی باتیں پھر کبھی سہی اب ذرا پینے کی بات سن لیجئے۔ عام آدمی کا مشروب گرم پانی ہے۔ آج سے نہیں صدیوں سے۔ یا تو گھر میں پتیلا چڑھا رہے گا ورنہ بازار میں دیگ اُبل رہی ہے وہاں سے دو پیسے میں بالٹی بھروا لائیے۔ طالب علم سکول جاتا ہے یا باہر تفریح کو تو اس کے بستے کے ساتھ ایک مگ لٹکا رہتا ہے۔ اس سے زیادہ عیاشی مطلوب ہے تو چند پتیاں چائے کی ڈال لیجئے اور چسکی لیتے رہیے۔ جہاں گئے اسی مشروب سے خاطر ہوئی۔

وزیر خارجہ چن ژی نے بھی اسی سے تواضع کی اور فیکٹری مزدوروں نے بھی۔ بازار میں یہ چیز ایک پیسے کی ہے۔ گھر میں تو مفت ہی سمجھیے۔ اسی ایک مد میں دیکھا جائے تو ہم شکر اور دودھ کا جوشاندہ پیتے ہیں اس کے مقابلے میں چینی لوگ سال بھر میں کروڑوں روپے بچاتے ہونگے۔ ہم کالی چائے کے رسیا لوگوں کے لیے البتہ ہوٹلوں میں انتظام ہے۔ مزہ مٹھاس اور گاڑھاپن کبھی آجاتے ہیں۔ چینی زبان میں اسے "خونچا" کہتے ہیں۔

ریل میں ہر نشست کے ساتھ چائے کے گلاس رکھنے کی جگہ ہے۔ اکثر سینماؤں اور تھیٹروں میں کرسی کے داہنے ہتھے کے اندر گلاس رکھنے کے لئے سوراخ بنا ہے، کام کرتے جائیے اور ایک ایک گھونٹ چسکتے رہیے۔ تھوڑی دیر میں کوئی آئے گا اور اس میں مزید گرم پانی ڈال جائے گا۔ معلوم ہوا کہ اس سے معدے کا نظام درست رہتا ہے۔ جراثیم کا دفعیہ بھی ہو جاتا ہے۔ کم خرچ بلکہ بے خرچ بالانشین۔ ہم نے بھی کچھ دن گرم پانی پیا پھر چھوڑ دیا۔

کھانے سے پہلے اور بعد، بلکہ آپ یوں بھی باہر سے آئیں تو آپ کو گرم پانی میں بھیگا ایک تولیہ یا رومال پیش کیا جائے گا کہ اس سے منہ ہاتھ پونچھیے اور تروتازہ ہو جائیے۔ یہ رواج ہم لوگوں کو بہت اچھا لگا۔ وہاں خستگی اور ماندگی اس سے دور ہو جاتی تھی۔ ہمارے پیر سائیں حسام الدین راشدی صاحب نے تو کچھ تولیے وہاں سے خریدے بھی کہ

وطن عزیز جا کر میں بھی یہی کروں گا۔ لیکن وطن عزیز آ کر تو اور بھی بہت کچھ کرنے کا عزم ہمارے سارے ساتھیوں نے کیا تھا۔ کسی سے ایسے آثار بھی ظاہر نہیں ہوئے۔ شاید کان نمک میں آ کر پھر سب نمک ہو گئے۔ پیر صاحب تو لیے استعمال کرنے کی حد تک ثابت قدم رہے ہوں تو شاید رہے ہوں۔

صحت کا خیال چینیوں کو اس حد تک رہتا ہے کہ وحشت ہوتی ہے۔ ہم ایسے آرام طلبوں کو تو وہاں جینا حرام ہو جائے۔ ورزش ہر کوئی ہر روز کرتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ڈھاکے کے رہنے والے سڑکوں پر اتنا تھوکتے ہیں کہ ڈھاکہ میونسپلٹی کو ایک الگ داروغہ صفائی رکھنا پڑا ہے، جہاں یہ جاتے ہیں وہ سی آئی ڈی کی طرح ان کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔ ان کو وہاں بڑی تکلیف ہوئی کہ وہاں یہ رواج نہیں، نہ اجازت ہے۔ پانی اُبال کر پیتے ہیں۔ موبائل آئل وہاں گاڑیوں میں ڈالا جاتا ہے، اصلی یا بناسپتی گھی کہہ کر فروخت نہیں کیا جاتا۔ بھٹے کی اینٹیں بھی مکان بنانے میں استعمال ہوتی ہیں۔ ہلدی اور مرچ میں ملا کر ان سے تعمیر معدہ کا کام نہیں لیا جاتا۔ وہاں دودھ بھی گائیوں بھینسوں کا ہوتا ہے۔ تالابوں یا کمیٹی کے نلکوں سے حاصل نہیں کیا جاتا۔ پھر محنت ہر کوئی کرتا ہے۔ لہٰذا سارے چین میں ہم ایسے کسی شخص کی تلاش میں رہے جو بڑی نہ سہی چھوٹی موٹی توند ہی کا مالک ہو۔ سوچو کے ہوٹل میں ہم نے کچھ چینی توندوں والے دیکھے تو خوش ہوئے اور وطن عزیز کی یاد آئی۔ لیکن معلوم ہوا وہ یہاں کے نہیں۔ سنگاپور سے بغرض تفریح آئے ہوئے ہیں۔ لاغر آدمی بھی چین میں کوئی نظر نہ آیا۔ واپسی پر ہمارے ایک امریکن دوست نے اس کی یہ توجیہ کی کہ جب کوئی غیر ملکی آتا ہے تو ڈھنڈورا پٹ جاتا ہے کہ لاغر لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہو جائیں اور اندر سے کنڈیاں چڑھا لیں تا کہ غیر ملکی لوگ متاثر ہو جائیں۔

ہم نے کہا وہاں تو کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ غیر ملکیوں کے غول کے غول نہ گھومتے پھریں اور کئی بار تو وہ بلا اطلاع بھی دیہات، کھیتوں، کارخانوں اور گلیوں میں جا نکلتے ہیں چینیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہوگی۔ وہ صاحب بولے۔ خیر آپ یقین نہیں کرتے، نہ سہی۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے۔

دوہان میں ہمارے ہسپتال جانے کی تقریب یہ تھی کہ وہاں کچھ فلو کا اثر معلوم ہوا۔ کم از کم زکام ضرور تھا۔ دیکھا کہ ڈاکٹر پر ڈاکٹر چلا آ رہا ہے۔ پھر اطلاع ملی کہ ہسپتال کا سربراہ ہم سے ملاقات کا متمنی ہے۔ آخر ہم نے کہا بابا ہم خود چلے جاتے ہیں ہسپتال۔ وہاں گئے تو انھوں نے ہمارے اعضائے رئیسہ و غیر رئیسہ اور آنکھ، کان، ٹانگ وغیرہ سب دیکھ ڈالے۔ دراصل اسی باعث ہم وہاں جانے سے کتراتے تھے اور خود کو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے کہ باقی سب لوگ وطن سدھاریں گے۔ ہم یہاں داخل دفتر ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ ہم جانتے ہیں کہ فارکوسا میں شاید ہی کوئی مرض ہوگا، جو ہم میں نہ ہوگا۔ خیر ہسپتال تو ہم داخل ہو کر نہ دیئے، دوا ضرور لے آئے اور ابھی استعمال بھی نہ کی تھی کہ تندرست ہو گئے۔

یہ ہسپتال ساڑھے سات سو بیڈ کا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے جرمن زبان میں سات سال تک ڈاکٹری پڑھی تھی اور بیس سال سے پریکٹس کر رہے تھے۔ ہمارے جی میں آئی کہ ان سے پوچھیں کہ آپ کینیڈا کیوں نہیں چلے جاتے۔ وہاں ڈاکٹروں کو زیادہ تنخواہ ملتی ہے۔ یہ سوال پوچھا تو نہیں لیکن جی اس لیے چاہا کہ ہم خود کتنے ڈاکٹروں کو جانتے ہیں جو تنخواہ اور آمدنی کے لیے وطن عزیز چھوڑ کر کینیڈا، امریکہ اور برطانیہ میں پریکٹس کر رہے ہیں اور ہمارے ہاں آدھی موتیں بروقت ڈاکٹر میسر نہ آنے سے ہوتی ہیں۔ ان سے پوچھیئے۔ تو کہتے ہیں کہ ہاں وطن کی خدمت کرنے میں اعتراض نہیں لیکن یہاں ہماری قدر نہیں۔ ہمیں سر آنکھوں پر نہیں بٹھایا جاتا۔ اس پر ہمیں اس چینی ادیب کی یہ بات یاد آئی کہ تنخواہ اور آمدنی کے علاوہ بھی کچھ قدریں ہیں، جن کے لیے آدمی کام کرتا ہے اور جاں سوزی برتتا ہے۔ ایسے ڈاکٹروں، انجینئروں اور دوسرے ماہروں کی تعداد سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچتی ہے جو امریکہ اور یورپ کے ملکوں سے آرام اور تمول کی زندگی چھوڑ کر واپس آئے اور اب معمولی کپڑوں میں معمولی تنخواہ لے کر معمولی مکانوں میں رہتے ہیں۔ لیکن خوش ہیں۔ ہمارے ہاں ڈاکٹر کے لیے چند سال سرکاری خدمت لازم قرار دی گئی تھی تو کہرام مچ گیا تھا اور دیہات میں جانے کے نام سے تو ہر کوئی کان پر ہاتھ رکھتا تھا۔ وہاں دیہات کو بھی ملک کا حصہ سمجھا جاتا ہے اور دیہاتی انسانوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا پانی، بجلی، تعلیم، صحت تفریح، تہذیب سب پر حق ہے۔ انٹلیکچول کہلانے والے طبقے کے لوگوں ادیبوں، پروفیسروں، ڈاکٹروں وغیرہ کو سال میں دو مہینے دیہات میں جا کر دیہاتیوں کے ساتھ انھی کے مکانوں میں رہنا پڑتا ہے اور انھی کے ساتھ کھیتوں کھلیانوں اور کارخانوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ اسی کا اثر ہے کہ یہ لوگ خود کو کوئی علیحدہ آسمانی مخلوق نہیں گردانتے اور اس قاعدے سے صدر ماؤزے تنگ تک مستثنیٰ نہیں ہیں۔

صحت میں علاج کی سہولتوں اور ورزش اور محنت کے علاوہ کچھ دخل خوراک کا بھی ہے۔ چینی روغن جوش نہیں کھاتے، سادہ خوراک کھاتے ہیں۔ یہ رواج ہمارے ہاں کا ہے کہ جب تک کسی چیز کے تمام اجزاء کو جن میں وٹامن یا دوسری غذائیتیں ہونے کا خطرہ ہو، پوری طرح ضائع نہ کر دیا جائے مزا نہیں آتا۔ خیر اس مسئلے پر ہم زیادہ زور نہیں دینا چاہتے کیونکہ بہت سے ڈاکٹر، حکیم ہمارے حلقہ احباب میں ہیں ان کی خوشحالی پر آنچ آنے سے ہم سے خوش نہ ہوں گے تاہم گھروں کی اور کوچوں و بازاروں کی صفائی ہمیں بھی پسند ہے۔ وہاں کسی کو اپنے گھر یا گلی میں جھاڑو دینے میں عذر نہیں۔ ریل گاڑی تک کی دھلائی ہر روز ہوتی ہے۔

(چلتے ہو تو چین کو چلیئے)

مشق

۱۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

الف) دیوارِ چین تعمیر کرنے کا مقصد کیا تھا؟

ب) مصنف جہاں بھی گیا تو کس طرح اُس کی خاطر مدارت ہوئی؟

ج) چینی کس طرح کی خوراک کھاتے ہیں؟

د) چین کے حالات پڑھ کر آپ نے کیا تاثر لیا؟

ہ) وزیر خارجہ اور فیکٹری مزدوروں کی مہمان نوازی میں کیا مماثلت تھی؟

۲۔ سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۳۔ سبق ''چلتے ہو تو چین کو چلیئے'' کے متن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف) دیوارِ چین کو کس بادشاہ نے مربوط کیا:

(i) چن شہ ہوانگ تی　　(ii) چن زی

(iii) چوچی منگ　　(iv) چاؤ چاپن

ب) دیوارِ چین پیکنگ سے دور ہے:

(i) دس پندرہ میل　　(ii) پندرہ بیس میل

(iii) بیس پچیس میل　　(iv) پچیس تیس میل

ج) حقیقت میں دیوار چین کی لمبائی ہے:

(i) ڈیڑھ ہزار میل　　(ii) اٹھارہ سو میل

(iii) دو ہزار میل　　(iv) بائیس سو میل

د) دیوار چین کی سیر کے لیے زیادہ تر لوگ آتے ہیں۔

(i) ہوائی جہاز کے ذریعے　　(ii) سڑک کے ذریعے

(iii) ریل کے ذریعے (iv) پیدل

ہ) چین میں عام آدمی کا مشروب ہے۔

(i) اورنج جوس (ii) گرم پانی

(iii) سبز چائے (iv) کوکا کولا

و) چینی ڈاکٹرز، انجینئرز ترجیح دیتے تھے۔

(i) تنخواہ کو (ii) آمدنی کو

(iii) خدمت کو (iv) سہولیات کو

۴۔ متن کی روشنی میں خالی جگہ پُر کریں۔

الف) دیوار چین کی سیر کو آنے والوں کا ہمیشہ.................رہتا ہے۔

ب) چینی زبان میں بلیک ٹی مع دودھ اور شکر کو.................کہتے ہیں۔

ج) چینی.................نہیں کھاتے۔

د) چین میں کسی کو اپنے گھر یا گلی میں جھاڑو دینے میں.................نہیں۔

ہ) چین میں بقول مصنف صحت کا خیال اس حد تک رکھا جاتا ہے کہ.................ہوتی ہے۔

۵۔ سیاق وسباق کے حوالے سے متن کی تشریح کریں۔

یہ غالباً پچھلی صدی کی بات ہے.................نہ کھول سکے۔

۶۔ ذیل الفاظ کے معنی لکھ کر جملوں میں استعمال کریں۔

پنہاں۔ ظروف۔ دل گداختگی۔ دفعیہ۔ مرموز ۔ صغرسنی ۔ نواحات ۔ تیغا کرنا۔ خاطرمدارت

۷۔ مصنف نے دیوار چین کی جو منظر کشی کی ہے اُسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۸۔ مصنف اپنے ملک کے ڈاکٹروں اور انجینئروں پر کس طرح طنز کرتے ہیں؟

سفر نامہ نگاری

سفر نامہ نگاری اُردو ادب میں ایک جدید صنف کی حیثیت سے اپنی شناخت بنا رہی ہے۔ سفری مشاہدات، تجربات اور وہاں کی تہذیب، تاریخ، معاشرتی زندگی اور دیگر اقدار کی بنیاد پر مرتب کردہ روداد سفر نامہ نگاری کہلاتی ہے۔ اُردو ادب میں یہ صنف دورِ جدید میں ترقی یافتہ شکل میں اُبھر کر سامنے آ رہی ہے۔

سرگرمیاں

ا۔ چینی اور پاکستانی معاشرے کا فرق اپنی کاپیوں میں لکھیں۔

۲۔ اساتذہ کرام طلبہ سے کسی بھی سفر کی روداد لکھوائیں تاکہ طلبہ میں تخلیقی صلاحیتیں پیدا ہو سکیں۔

اشاراتِ سبق

ا۔ طلبہ کو سفر نامے کی صنف کا کماحقہ تعارف کروایا جائے۔

۲۔ چین اور پاکستان کے تعلقات کے بارے میں طلبہ کی معلومات میں اضافہ کیا جائے۔

۳۔ اُردو ادب میں ابن انشاء کے مقام سے آگاہ کیا جائے۔

۴۔ اُردو ادب میں سفر نامے کی روایت سے طلبہ کو آگاہ کیا جائے۔